ادارہ تحقیق و تصنیفِ اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

# تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

پان والی کوٹھی، دودھ پور، علی گڑھ
۲۰۲۰۰۱

ادارۂ تحقیق و تصنیفِ اسلامی کا سہ ماہی ترجمان

# تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

جنوری ــــــــ مارچ ۱۹۹۳ء

: ایڈیٹر :

سید جلال الدین عمری

پان والی کوٹھی دودھ پور علی گڑھ

۲۰۲۰۰۱

ISLAMIC BOOKCENTRE
Jamia Complex N.R.Rd.
BANGALORE-560002

# سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ

جلد ۱۲ — شمارہ ۱

جنوری ——————— مارچ ۱۹۹۳ء

رجب ——————— رمضان المبارک ۱۴۱۳ھ

سالانہ زر تعاون

ہندوستان سے ——————— ۵۵ روپے

پاکستان سے ——————— ۱۲۰ روپے

دیگر ممالک سے ——————— ۲۰ ڈالر

فی شمارہ ——————— ۱۵ روپے

طابع و ناشر سید جلال الدین عمری نے انٹرنیشنل پرنٹنگ پریس علی گڑھ کے لیے ثمر آفسیٹ پرنٹرز دہلی سے چھپوا کر ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی پان والی کوٹھی دودھ پور علی گڑھ سے شائع کیا

# فہرست مضامین


## حرف آغاز

| | | |
|---|---|---|
| کچھ سوچنے کی باتیں | سید جلال الدین عمری | ۵ |

## قرآن وحدیث

| | | |
|---|---|---|
| تخلیق انسانی کی غرض وغایت سورۂ ہود کی دو آیتوں کی روشنی میں | پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی | ۱۳ |

## تحقیق وتنقید

| | | |
|---|---|---|
| مستشرقین پر علماء اسلام کی خدمات | محمد جرجیس کریمی | ۴۱ |

## بحث ونظر

| | | |
|---|---|---|
| غذا کا استعمال اسوۂ حسنہ کی روشنی میں | سید جلال الدین عمری | ۷۹ |
| قرآن کا نظریۂ کائنات | ڈاکٹر عبدالمغنی | ۹۳ |

## تعارف وتبصرہ

| | | |
|---|---|---|
| قرآنی مقالات وکتابیات فراہی | منور حسین فلاحی | ۱۱۵ |

# اس شمارہ کے لکھنے والے

ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی

پروفیسر شعبہ اسلامک اسٹڈیز مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

محمد جرجیس کریمی

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی پان والی کوٹھی دودھ پور علی گڑھ

ڈاکٹر عبد المغنی

پروفیسر ڈپارٹمنٹ آف انگلش پٹنہ یونیورسٹی پٹنہ

منور حسین فلاحی

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی علی گڑھ

سید جلال الدین عمری

سکریٹری ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی علی گڑھ

خوش نویس :-

احراز الحسن جاوید

حرفِ آغاز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# کچھ ہمارے سوچنے کی باتیں

——— سید جلال الدین عمری

۶ر دسمبر ۹۲ء کو بابری مسجد شہید کردی گئی۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا اسے بیان کرنے کے لیے الفاظ ساتھ نہیں دیتے۔ ملک کے مختلف علاقوں میں آگ سی لگ گئی، ہولناک فسادات کا طویل سلسلہ شروع ہوگیا، قتل و خوں ریزی کا بازار گرم ہوا، غلط کاروں اور مفسدوں کے ساتھ سیکڑوں بے گناہ جانیں ضائع ہوئیں، ہزاروں افراد زخمی ہوئے، عصمتیں لٹیں، مکانات جلے، دکانیں نذر آتش ہوئیں، کاروبار تباہ ہوئے، اربوں اور کھربوں کا مالی نقصان ہوا، لوگ گھروں سے بے گھر ہوگئے، عبادت گاہوں تک کی حرمت پامال ہوئی اور وہ تباہ ہوئیں۔

فسادات کی ہولناکی اور جان و مال کی تباہی کو دیکھ کر بہت سے لوگوں کو ۴۷ء یاد آگیا، کسی نے اسے ملک کی حالیہ تاریخ کا سیاہ ترین باب قرار دیا، کسی نے کہا کہ گاندھی جی کے قتل کے بعد یہ سب سے بڑا قومی حادثہ ہے، گاندھی جی ہندو مسلم اتحاد کے علم بردار تھے۔ انھیں قتل کرکے اس اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی کوشش کی گئی تھی، بابری مسجد کو شہید کرنے والوں کا بھی یہی مقصد ہے۔ دونوں کے پیچھے ایک ہی ذہن کام کر رہا ہے۔

اس خوفناک صورت حال نے سوچنے سمجھنے والوں کو ہلا کر رکھ دیا اور ذہنوں میں طرح طرح کے سوالات ابھرنے لگے۔ کیا ہمارے اس ملک میں واقعی قانون کی حکم رانی ہے یا کوئی گروہ اپنی طاقت کے بل پر یہاں من مانی کرسکتا ہے اور اسے روکا نہیں جاسکتا؟ ملک کے سیاسی نظام کی بنیاد سیکولرزم اور جمہوریت پر رکھی گئی ہے کیا یہ بنیاد اب کم زور ہوتی جارہی ہے اور اس کے منہدم ہونے کا خطرہ لاحق ہے؟ یہاں کی اخلاقی اقدار میں بقاء باہم اور رواداری بہت نمایاں سمجھی جاتی تھی، کیا اب یہ قدریں باقی نہیں رہیں اور ماضی کی داستان بن گئی ہیں۔ ملک کے بقاء، سالمیت، اتحاد اور یک جہتی کا جو نقشہ یہاں کے قومی

رہا ہزاروں سال سے اپنے سامنے رکھا تھا کیا اب وہ بدل رہا ہے اور ایک نیا نقشہ ابھر رہا ہے؟ جس ملک کو مختلف مذاہب اور تہذیبوں کا گہوارہ سمجھا جاتا تھا، کیا اب وہ باہم مل کر یہاں رہ سکیں گے اور انھیں فطری انداز میں پھلنے پھولنے کے مواقع حاصل رہیں گے یا یہاں صرف ایک تہذیب ایک کلچر اور ایک خاص ذہن و فکر کو باقی رہنے کا حق ملے گا؟

ان ہنگاموں میں سب سے زیادہ مسلمان متاثر ہوئے۔ وہ ملک کی سب سے بڑی اقلیت ہونے کے باوجود سوچنے پر مجبور ہیں کہ بابری مسجد کا شہید ہونا ایک اتفاقی واقعہ یا جذباتی اور وقتی حادثہ ہے یا اس کے پیچھے کوئی سوچا سمجھا منصوبہ اور گہری سازش ہے؟ عبادت گاہ تو دنیا کی سب سے محفوظ جگہ سمجھی جاتی ہے، اس کا احترام ہر شخص کرتا ہے، چاہے وہ کسی بھی فرقہ اور گروہ کی عبادت گاہ ہو۔ جب وہ محفوظ نہیں رہی تو پھر کون سی چیز محفوظ رہ سکتی ہے؟ کیا ان کی جان، مال، عزت و آبرو اور مذہب و تہذیب کسی بڑے خطرہ سے دوچار ہے؟ ملک میں ان کے باعزت زندگی گزارنے کا کیا راستہ ہے؟ کیا اب مایوسی اور اندھیرا ہی ہے یا امید کی کوئی کرن بھی ہے؟

حالات ہزار خراب سہی لیکن مایوسی اور ناامیدی کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ قوموں پر نازک سے نازک وقت آتا ہے اور کبھی بدترین حالات سے انھیں گزرنا پڑتا ہے۔ اسی میں ان کا امتحان ہے۔ جو قوم حالات کو ناسازگار اور ماحول کو ناموافق دیکھ کر گھبرائے، مایوس نہ ہو، ہمت نہ ہارے، ہوش و حواس باقی رکھے، حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرے اور استقامت اور پامردی کا ثبوت فراہم کرے وہ کامیاب و کامران ہو کر ابھرتی ہے اور اپنا مقام آپ پیدا کر لیتی ہے۔ اس کے برخلاف حالات کی سنگینی جس قوم کو مضمحل اور ناتواں کر دے اور ہر چھوٹی بڑی آزمائش کو اپنے لیے موت کا پیغام سمجھ بیٹھے اسے دنیا کی کوئی طاقت زندگی اور توانائی نہیں فراہم کر سکتی وہ خود بخود ختم ہوتی چلی جاتی ہے۔ پھر یہ کہ جو قوم اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین رکھتی ہو وہ کبھی مایوسی اور ناامیدی کا شکار نہیں ہو سکتی، اس لیے کہ سب سے بڑی قوت اسی کی ہے، اس سے بڑی کوئی قوت نہیں ہے۔ ساری قوتوں کا سرچشمہ اس کی ذات ہے۔ وہ جب چاہے ظلمت شب کو نور سحر میں تبدیل کر سکتا ہے اور موت کے سایوں میں زندگی کے آثار پیدا کرنا اس کے لیے ناممکن نہیں ہے۔ حالات اگر تاریک ہیں تو اس کے حکم سے روشن اور تابناک بھی ہو سکتے ہیں

لیکن یہ کرشمے اس وقت ظاہر ہوتے ہیں اور ان لوگوں کے لیے ظاہر ہوتے ہیں جو ایمان و عمل کی دولت سے مالا مال ہوں جو صرف ایک اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھتے ہوں، جو ہر حال میں اس کے دامن سے چمٹے رہیں جو اس کے سوا کسی اور سے کوئی توقع نہ رکھیں اور اسی کو اپنا آخری ملجا و ماویٰ تصور کریں۔

حالات سے گھبرا کر بعض لوگ ان کے فوری حل کا مطالبہ کرتے ہیں۔ بلا شبہ ان کا فوری حل ڈھونڈنا بھی ضروری ہے۔ لیکن یہ کوئی مستقل اور پائیدار حل نہ ہوگا۔ موجودہ حالات کے وقوع میں ہماری طویل غفلت اور کوتاہی کا بھی بڑا دخل ہے۔ ان میں تبدیلی لانے کے لیے طویل جدوجہد کرنی ہوگی۔ کوئی مختصر راستہ اس طویل جدوجہد کا بدل نہیں ہے۔

سب سے پہلے باشندگان ملک کے سامنے ہمارے صحیح تعارف کی ضرورت ہے۔ ہمارا تعارف ایک ایسی قوم کی حیثیت سے نہ ہو جس کا کوئی متعین نصب العین نہیں، کوئی خاص طریقۂ حیات اور خاص تہذیب و معاشرت نہیں ہے بلکہ بعض تاریخی عوامل اور کچھ رسوم و روایات نے اسے ایک قوم بنا دیا ہے اس کے برعکس اس کا تعارف ایک ایسی امت کی حیثیت سے ہو جو متعین اصول و نظریات کی مالک ہے جنھیں وہ حق و صداقت پر مبنی اور اپنے لیے اور ساری دنیا کے لیے فلاح و نجات کا ذریعہ تصور کرتی ہے، وہ مخصوص طرز فکر اور تصور حیات رکھتی ہے جو اسے جان، مال اور دنیا کی ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے جس سے وہ کسی قیمت پر دست بردار نہیں ہو سکتی، وہ ایک ایسی امت ہے جو اخلاقی اقدار کی حامل ہے جو اس کے نزدیک قابل احترام ہیں۔ اس کی تہذیب، معاشرت، سیاست ہر چیز کے پیچھے ارفع و اعلیٰ اور بہت ہی پاکیزہ تصورات کارفرما ہیں۔

اس تعارف پر اگر طنز و تعریض کی جاتی ہے، قدامت پرستی اور دقیانوسیت کا طعنہ دیا جاتا ہے، عہد جدید کے تقاضوں سے بے خبری کا الزام عائد ہوتا ہے تو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کیا جائے، اس پر مطمئن کرنے کی جو بھی معقول کوشش ہو سکتی ہے کی جائے اور حکمت و دانائی کے ساتھ جو اعتراضات ہوں انھیں رفع کرنے کی اور جو شبہات ہوں ان کے

ازالہ کی تدبیر کی جائے۔

جن اعلیٰ اصول اور اقدارِ حیات پر ایمان کا ہم دعویٰ کرتے ہیں انھیں ہماری زندگیوں میں جلوہ گر ہونا چاہیے۔ ہماری سیرت ان کی ترجمان ہو، ہمارے اعمال ان کی گواہی دیں، ہمارے اخلاق سے ان کا ثبوت ملے، ہمارے معاملات ان کی تصدیق کریں اور ہمارے تعلقات سے ان کی ضوفشانی ہوتی رہے۔ ہم میں سے جو جس خاندان کا فرد ہے اس کے حقوق پہچانے، کسی کا پڑوسی ہو تو بہتر پڑوسی ہو، تاجر ہو تو امانت دار تاجر ہو، ملازم ہو تو فرض شناس ملازم ہو، مالک ہو تو ماتحتوں کے حقوق بخوشی ادا کرے، اس کی ذات سے نہ کسی کو اندیشہ ہو اور نہ کوئی خطرہ محسوس کرے۔ وہ ہر ایک کے دکھ درد میں کام آنے والا اور ان کے رنج وراحت میں شریک رہے۔ دنیا کو یہ ثبوت ملے اور مسلسل ملتا چلا جائے کہ مسلمان رنج وراحت، دشواری اور آسانی کسی حال میں اسلامی تعلیمات کی خلاف ورزی نہیں کرتا، ماحول پرامن ہو یا چاروں طرف فتنہ وفساد کے شعلے بھڑک رہے ہوں وہ اسلام کے قائم کردہ حدود کو پامال نہیں کرسکتا، فسادات میں جب معصوم اور بے گناہ مارے جاتے ہیں، عصمتیں لٹتی ہیں، املاک اور جائیداد نذرِ آتش ہوتی ہے اس وقت بھی وہ دوسروں کی جان، مال اور عزت وآبرو کا محافظ بن کر سامنے آتا ہے۔ اسی طرح وہ جہاں رہے اور جس حال میں رہے اسلام کی تعلیم کا پابند رہے اور اس کے ذریعہ دنیا کو اسلام کا درس ملتا رہا۔

اس امت کو خیر امت کہا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ساری دنیا کے لیے اپنے پاس خیر وفلاح کا پیغام رکھتی ہے۔ اس پیغام کو عام ہونا چاہیے۔ اس ملک کے سامنے یہ بات آنی چاہیے اور پورے زور اور قوت کے ساتھ آنی چاہیے کہ مسلمان اس ملک کے خیر خواہ ہیں اور خدا پرستی کی بنیاد پر اس کی تعمیر وترقی چاہتے ہیں۔ مختلف طبقات اور گروہوں کے درمیان تصادم کو وہ غلط اور ناروا تصور کرتے ہیں اور ان کے درمیان اتحاد اور یگانگت کا جذبہ بیدار کرنا چاہتے ہیں۔ وہ کسی کے حلیف یا کسی کے حریف نہیں ہیں بلکہ سب انسانوں کو ایک خدا کی مخلوق جانتے ہیں اور ان کی بھلائی کا پروگرام رکھتے ہیں۔ وہ اس ملک کے سامنے ظلم وزیادتی کو ختم کرنے والے اور عدل وانصاف کے علم بردار کی حیثیت سے آئیں، یہاں کی طبقاتی اور گروہی کشمکش کو ختم کریں، کم زور طبقات کو طاقت ور طبقات کے جور وستم سے بچائیں اور وحدت انسانیت کا درس دیں

قرآن مجید نے اختلاف و انتشار سے منع کیا اور کہا کہ اس سے تم کم زور ہو جاؤ گے اور تمہارے قدم اکھڑ جائیں گے۔ آج اسی صورتِ حال سے ہم دوچار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو بعض بنیادی تصورات کے تحت متحد و منظم کیا تھا اور وہ ایک سیسہ پلائی دیوار بن کر ابھری تھی، مخالف طاقتیں اس سے ٹکرائیں لیکن اس میں کوئی رخنہ نہیں ڈال سکتی تھیں لیکن یہ تصورات ہی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے ہیں، چھوٹے چھوٹے مسائل نے ہماری صفوں میں بڑے بڑے شگاف ڈال دئیے ہیں اور ہم ایک دوسرے سے دست و گریباں ہیں۔ بعض مسائل میں اختلاف فطری ہے، وہ اختلاف موجود ہے اور رہے گا لیکن ان میں زیادہ تر مسائل کی نوعیت جزئی اور فروعی ہے۔ لیکن مختلف اسباب کی بنا پر یہی ہمارے درمیان پھوٹ کا ذریعہ بن گئے ہیں۔ اس صورت حال کو ختم ہونا چاہئے۔ اس حقیقت کو ہم فراموش نہیں کر سکتے کہ اس امت کا نفع و ضرر اور سود و زیاں ایک ہے۔ اس پر اگر کوئی مصیبت آتی ہے تو کسی کا مسلک معلوم کر کے نہیں آتی بلکہ امت کے فرد کی حیثیت سے آتی ہے۔ یہ امت اگر ابھرے گی بھی تو امت مسلمہ ہی کی حیثیت سے ابھرے گی۔ اس ملک میں ہمارے موجودہ مسائل کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ بارہ کروڑ کی تعداد میں ہونے کے باوجود ہماری کوئی ایک آواز نہیں ہے ہماری ایک آواز ہوتی تو شاید ہمارے مسائل اتنے پیچیدہ نہ ہوتے۔

اس وقت سب سے اہم اور فوری مسئلہ یہ ہے کہ ملک کے مختلف طبقات کے درمیان نفرت، تعصب اور تنگ نظری کی جو فضا پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے اس کا بھرپور مقابلہ کیا جائے، امن و امان بحال ہو، قانون کی حکم رانی ہو، عدل و انصاف ہو، ہر شخص کو برابر کے حقوق حاصل ہوں، ترقی کی راہیں سب کے لیے کھلی رہیں اور ہر ایک کو اپنی صلاحیت کے مطابق ملک و قوم کی خدمت کے مواقع حاصل ہوں۔ جو اختلافات ہوں انھیں سنجیدہ اور پرسکون ماحول میں حل کرنے کی کوشش کی جائے۔ یہ کسی ایک فرد یا گروہ کی نہیں بلکہ پورے ملک کی ضرورت ہے۔ یہ اس ملک کی اندرونی آواز ہے جسے دبانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس وسیع و عریض ملک میں ایک چھوٹا سا طبقہ ہے جو یہاں کی فضا کو مکدر کرنا چاہتا ہے اور کر رہا ہے۔ ہنگاموں کو ہوا دیتا اور اس میں شریک ہوتا ہے۔ اس طبقہ کا کوئی دین دھرم یا کوئی اخلاق نہیں ہے۔ اس کے پیچھے جو ناپاک مقاصد ہیں ان سے دنیا واقف ہے۔ اس طبقہ کے افراد ہر جگہ اور ہر قوم میں مل جائیں گے۔ لیکن اس ملک کی بہت بڑی آبادی امن

دامان اور سکون چاہتی ہے، اس کے پاس ان ہنگاموں کے لیے فرصت ہے اور نہ یہ اس کا مزاج ہے۔ اس کی کمزوری یہ ہے کہ ان نازک حالات میں خاموشی ہی میں اپنی عافیت سمجھتی ہے۔ اس کے اندر حق کو حق اور ناحق کو ناحق کہنے کی ہمت اور حوصلہ نہیں ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہمارے لیے خوشی کی بات یہ ہے کہ ایسے افراد کی پہلے بھی کمی نہیں تھی اور موجودہ ہنگاموں کے بعد تو ان کی تعداد میں اضافہ ہی ہوا ہے۔ جنھوں نے حالیہ فسادات اور ہنگاموں پر اپنی ناگواری اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے، جو لوگ ان میں پیش پیش رہے ہیں ان کے ناپاک عزائم کو واضح کیا ہے اور ظلم و ناانصافی کے خلاف آواز اٹھائی ہے۔ انھیں اس بات پر افسوس اور صدمہ ہے کہ ان ہنگاموں سے ہماری تصویر بگڑی ہے اور بدنامی اور رسوائی ہوئی ہے۔ ان میں سیاسی افراد بھی ہیں، دانشور اور مفکر بھی ہیں، سماجی کارکن بھی ہیں اور صحافت سے تعلق رکھنے والے تو اچھی خاصی تعداد میں موجود ہیں۔ سیاسی جماعتوں نے بھی اس پر اپنے رنج و ملال کا اظہار کیا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس احساس کو تقویت پہونچائی جائے اور ان کے ساتھ مل کر امن وامان اور عدل وانصاف کی فضا بحال کی جائے اور یہ حقیقت پوری قوت کے ساتھ واضح کی جائے کہ اس ملک کی سالمیت، اتحاد اور ترقی کے لیے امن وامان کا قائم رہنا ضروری ہے اس کے لیے سوچا سمجھا کوئی منصوبہ اور لائحہ عمل تیار کرنے کی ضرورت ہے۔

---

بابری مسجد کی شہادت اور اس کے بعد کے ہنگاموں کے بعد حکومت نے ۱۰ دسمبر ۹۲ء کو ملک کی پانچ پارٹیوں پر پابندی لگا دی۔ یہ پابندی غیر قانونی سرگرمیوں کے انسداد سے متعلق قانون کے تحت ہے۔ جن پارٹیوں پر اس قانون کے تحت پابندی لگائی گئی ہے ان میں جماعت اسلامی ہند بھی ہے اس کے نتیجہ میں اس کی سرگرمیاں بند ہو چکی ہیں۔ جماعت کے ذمہ دار اور متوسلین ہی نہیں بلکہ جو لوگ جماعت سے براہ راست واقف ہیں وہ سب ہی حکومت کے اس اقدام سے حیرت زدہ ہیں اس لیے کہ جماعت کے دستور، اس کی پالیسی، اس کے طریقہ کار اور اس کی پینتالیس سالہ تاریخ میں سے کوئی چیز اس اقدام کے جواز میں نہیں پیش کی جا سکتی۔

جماعت اسلامی، مسلمانوں میں اسلام کی تعلیم کو عام کرتی اور انھیں اس کی پاکیزہ

تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنے کی دعوت دیتی ہے۔ اس کے ساتھ وہ ملک کے دوسرے باشندوں کے سامنے بھی اسلام کا صحیح تعارف کراتی اور اس کے بارے میں جو غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں ان کے ازالہ کی کوشش کرتی ہے۔ اس کی ساری کوششیں اسلامی ہدایات کے تابع اور دستورِ ہند کے دئیے ہوئے حقوق کے اندر ہیں۔ جماعت کے دستور اور اس کی پالیسی میں پوری صراحت ہے کہ جماعت اپنے تمام کاموں میں آئینی اور اخلاقی طریقے اختیار کرے گی۔ اس کی پالیسی میں یہ بات ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے۔

جماعت اسلامی ہند اپنے نصب العین کے حصول کے لیے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی پابند ہے اور ان ہی کی ہدایات کے تحت اخلاقی، تعمیری، پرامن، جمہوری اور آئینی طریقے اختیار کرتی اور ایسی تمام باتوں سے اجتناب کرتی ہے جو صداقت و دیانت کے خلاف ہوں یا جن سے فرقہ وارانہ منافرت، طبقاتی کشمکش اور فساد فی الارض رونما ہو سکتا ہو۔

جماعت اسلامی کی یہ پالیسی اس کے ہر چہار سالہ پروگرام کے آغاز میں چھپتی ہے اور دستیاب ہے۔ مختلف فرقوں کے درمیان نفرت اور تعصب کا پیدا کرنا اور انھیں ایک دوسرے کے خلاف لڑانا اسلام کی تعلیمات کے صریح خلاف ہے۔ جماعت اسلامی اپنے عقیدہ اور نظریہ کے لحاظ سے ان تعلیمات کی پابند ہے۔ وہ اس کے خلاف جا نہیں سکتی۔ اس کا تصور یہ ہے کہ سارے انسان ایک وحدت ہیں اور ان کے درمیان مساوات اور برابری کا معاملہ ہونا چاہیے۔ اس کے لیے وہ سنجیدہ کوشش کرتی رہی ہے۔ اس وقت ملک کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ مختلف فرقوں کو ایک دوسرے کے قریب لایا جائے اور ان کے درمیان افہام و تفہیم کا ماحول پیدا ہو جماعت اسلامی زیادہ بہتر طریقہ سے یہ خدمت انجام دے سکتی تھی۔ اسی طرح جماعت کا رکارڈ ہے کہ اس نے جہالت کو دور کرنے اور تعلیم کو عام کرنے میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں، انسانوں کی خدمت، وقت ضرورت مصیبت زدوں کے ساتھ تعاون اور فساد کے مواقع پر امدادی کاموں میں پیش پیش رہی ہے۔ اس وقت ملکی تعمیر میں اس کی خدمات کی زیادہ ضرورت تھی۔ افسوس کہ حکومت کے ایک غلط اقدام نے ملک و ملت کو اس کی خدمات سے محروم کر دیا ہے۔

جماعت پر جو الزامات عائد کیے گئے ہیں ان میں سے ایک الزام یہ ہے کہ امیر جماعت

مولانا محمد سراج الحسن صاحب نے ۲۷ مئی ۹۰ء کی ایک تقریر میں فرمایا کہ کشمیر ہندوستان سے الگ ہو کر رہے گا۔ اسی طرح مولانا عبدالعزیز صاحب نائب امیر جماعت پر یہ الزام ہے کہ انھوں نے یکم اگست ۹۱ء کی ایک تقریر میں رائے شماری کی بات کی۔ ان دونوں ذمہ داروں نے اپنے حلفیہ بیانات میں اس کی تردید کی ہے کشمیر کے مسئلہ میں جماعت کی شوریٰ کی قرارداد یں اور اس کے ذمہ داروں کے واضح بیانات موجود ہیں۔ ان کی موجودگی میں کوئی شخص یہ دعویٰ ہرگز نہیں کرسکتا کہ جماعت نے کشمیر کی ہندوستان سے علٰحدگی کی بات کہی۔ اس نے ہمیشہ پرامن ماحول میں کشمیریوں سے مذاکرات اور بات چیت پر زور دیا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ حکومت ان سب باتوں سے واقف ہے لیکن یہ اس کی ایک سیاسی مجبوری تھی کہ جب اس نے غیر مسلم تنظیموں پر پابندی عائد کی تو مسلمان تنظیموں پر پابندی عائد کرے۔ ورنہ غیر مسلم اس سے ناخوش ہوتے اور ان کے ووٹ حاصل کرنا اس کے لیے مشکل ہوتا۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو محض توازن کی خاطر کسی تنظیم پر پابندی عائد کرنا حق وانصاف کو پامال کرنا ہے اور محض الیکشن میں ووٹ کی خاطر ایک بہترین قوت کو ضائع کرنا ہے۔

اسلامی معاشرت پر مولانا سید جلال الدین عمری کی کتاب

# مسلمان خواتین کی ذمہ داریاں

امت مسلمہ کی ذمہ داریوں میں مرد اور عورت دونوں شریک ہیں۔
معاشرہ کی تعمیر میں عورت کی بنیادی اہمیت ہے۔
راہ حق میں عورتوں نے ہر دور میں استقامت کا ثبوت دیا ہے۔
مسلمان خواتین کی دعوتی ذمہ داریاں کیا ہیں؟
ان ذمہ داریوں کے ادا کرنے میں میاں بیوی کا تعاون کیوں ضروری ہے۔
داعی خواتین کے لیے کیا صفات ضروری ہیں؟

قرآن وحدیث کی روشنی میں اپنی نوعیت کی ایک مستند کتاب۔ خوبصورت ٹائٹل۔ دوسرا ایڈیشن۔ صفحات ۶۰ قیمت چھ (۶/-) روپے صرف۔ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی سے شائع شدہ یہ کتاب

ادارۂ تحقیق پان والی کوٹھی۔ دودھ پور۔ علی گڑھ (یوپی) سے طلب فرمایئے۔

# تخلیقِ انسانی کی غرض و غایت

## سورۂ ھود کی دو آیات کا صحیح مفہوم

ڈاکٹر محمد یسین مظہر صدیقی ندوی

### (۱) مقصد تخلیق انسانی کی آیات کریمہ

انسان کی تخلیق اس عظیم کائنات کی تخلیق کا ایک حصہ ہے اور وہ بھی کافی فروتر اور آسان، جیساکہ قرآنِ مجید کی متعدد آیاتِ کریمہ سے بخوبی واضح ہوتا ہے[۱] ان سے انسانی تخلیق کا مادہ، درجات اور مراحل کا بھی بہت اچھی طرح علم ہوتا ہے[۲] جہاں تک اس کی تخلیق کی غرض وغایت اور مقصد کا تعلق ہے عام طور سے بلکہ ہمیشہ سورۂ الذاریات کی آیتِ کریمہ ۵۶ پیش کردی جاتی ہے:۔

| | |
|---|---|
| وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ | اور میں نے جن اور انسان کو صرف |
| إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝ | اس لیے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔ |

تمام مفسرینِ قرآن کریم اور شارحینِ کلامِ ربانی نے عبادتِ الٰہی کے لیے انسان کی تخلیق وپیدائش کے اس قرآنی بیان کی طرح طرح سے تشریح کی ہے[۳]

لیکن نگاہِ غائر سے دیکھا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی تخلیق کی یہ غرض و غایت انسان کے نقطۂ نظر اور اس کے فرضِ منصبی کے لحاظ سے ہے۔ اس کی مختصر توجیہ وتشریح یوں کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کا اسی طرح خالق ہے جس طرح پوری کائنات اور اس کی تمام چیزوں کا اور یہ پوری کائنات اور اس کی تمام چیزیں بلا چون وچرا اپنے خالق کی اطاعت وعبادت میں لگی ہوئی ہیں[۴] اسی طرح انسان کو بھی اپنے خالق ومالک کی اطاعت وعبادت کرنی چاہیے۔ یہ اس کا شرعی، قانونی، منصبی، اخلاقی اور فطری فرض ہے۔ گویا کہ یہ بندہ اور انسان کی جانب سے اپنے خالق کی جناب میں شکرانہ ہے ان انعاماتِ بیکراں اور عطایائے

بے پایاں کا جو اس کا خالق و مالک ازراہِ کرم خالص اس پر فیضان کرتا ہے۔ لہٰذا یہ واضح ہوتا ہے کہ انسان کی تخلیق کا یہ مقصد اور اس کی یہ غرض و غایت انسان کے فرضِ منصبی کے لحاظ سے ہے۔[۲۵]

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ تخلیقِ انسانی کی غرض و غایت خالق و مالک — اللہ تبارک و تعالیٰ — کی ذاتِ عالی اور صفاتِ سامی کے اعتبار سے کیا ہے؟ اس کا جواب قرآنِ مجید کی سورۂ ہود کی آیتِ کریمہ ۱۱۸-۱۱۹ میں یوں دیا گیا ہے:-

| | |
|---|---|
| وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ | اور اگر تمہارا رب چاہتا / چاہے تو انسانوں |
| أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ | کو ایک امت بنا دیتا / بنا دے اور وہ برابر |
| مُخْتَلِفِيْنَ ۝ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ | اختلاف کرنے والے رہیں گے سوائے |
| وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۗ وَتَمَّتْ | ان کے جن پر تیرے رب نے رحم کیا اور اسی لیے ان |
| كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ | کو اس نے تخلیق کیا اور تیرے رب کی بات پوری |
| مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝ | ہو گئی کہ میں جہنم کو تمام جنوں اور انسانوں میں سے (کچھ سے) ضرور بھر دوں گا۔ |

اس آیتِ کریمہ کی تشریح و تعبیر میں مفسرین کا کافی اختلاف ہے، اس کے بارے میں روایات بھی متعدد آئی ہیں اور اقوال و مسالک بھی مختلف ہیں۔ بنیادی طور سے مفسرین کرام کو اس آیتِ کریمہ کے حوالے سے دو گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: ایک وہ گروہ جو آیت کریمہ کا اہم ترین جملہ: وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ (اور اسی واسطے ان کو تیرے رب نے پیدا کیا) کو وَلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ (اور ہمیشہ رہتے ہیں اختلاف میں) سے متعلق مان کر ان کا مقصدِ تخلیق اختلافِ مذاہب و مسالک و عقائد قرار دیتے ہیں جبکہ دوسرے گروہ کے نزدیک فقرۂ قرآنی وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ کا تعلق اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ (مگر جن پر رحم کیا تیرے رب نے) کے فقرۂ متصلہ سے ہے۔ دونوں گروہوں نے اپنے اپنے دلائل دیے ہیں اور اپنی اپنی تشریحات پیش کی ہیں۔ اس مختصر مقالہ کا مقصد اسی آیتِ کریمہ کے بارے میں ان دونوں طبقاتِ مفسرین کی آراء و تشریحات کا تجزیہ کر کے اس کا صحیح مفہوم متعین کرنے کی کوشش کرنا ہے۔

## (ب) تخلیق برائے اختلاف: قدیم مفسرین

پہلے طبقہ کے مفسرین کی ترجمانی کرتے ہوئے امام طبری نے متعدد روایات

نقل کی ہیں۔ امام حسن بصری کے بارے میں کئی روایات آئی ہیں جن کے مطابق وہ انسانی تخلیق کو اختلاف کے لیے سمجھتے تھے انھوں نے منصور بن عبدالرحمن کے سوال کے جواب میں فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ کو اپنی جنت کے لیے اور کچھ کو اپنی جہنم کے لیے تخلیق کیا ہے لہٰذا اول الذکر کو اپنی رحمت کے لیے اور موخرالذکر کو اپنے عذاب کے لیے پیدا کیا۔ حضرت حسن کی ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ رحمت الٰہی کے مستحق لوگ ایسا کوئی اختلاف نہیں کرتے جو ان کے لیے نقصان دہ ہو۔ جبکہ حضرت ابن عباس کی ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو دو فریقوں میں پیدا کیا: ایک فریق جس پر وہ رحم فرماتا تو وہ اختلاف نہیں کرتے اور ایک وہ فریق جس پر وہ رحم نہیں کرتا لہٰذا وہ اختلاف کرتے ہیں اور اسی بنا پر اللہ تعالیٰ کا قول ہے فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَسَعِيدٌ (سورۂ ہود ۱۰۵: تو ان میں سے کچھ بدبخت ہیں اور کچھ خوش بخت)۔ دوسرے اقوال کے مطابق حضرت عطاء بن ابی رباح نے اختلاف کرنے والوں سے مراد یہود و نصاریٰ اور مجوس کو لیا ہے، اور رحم الٰہی سے فیضیاب ہونے والوں کو اسلام کا پیرو بتایا ہے۔ یعنی انسانوں میں مومن و کافر پیدا کیے۔ یہی مراد امام اعمش سے بھی مروی ہے۔ امام مالک سے بھی ایک قول یہ مروی ہے کہ اللہ نے ان کو پیدا کیا تاکہ وہ دو گروہ بن جائیں: ایک گروہ جنت میں ہو اور ایک جہنم میں۔ امام طبری نے اسی قول کو اختیار کیا ہے اور یہی ابوعبید اور الفراء کا خیال بتایا ہے[۲۳]

دوسرے مفسرین کرام میں حافظ ابن کثیر نے بھی ابن جریر طبری کی انھیں روایات کو اس نقطۂ نظر سے باب میں نقل کیا ہے[۲۴] زیادہ تر ماثور روایات کی بنا پر تفسیر کرنے والے مفسرین کے ہاں یہی روایات مختلف تعبیرات و تشریحات کے ساتھ ملتی ہیں جن میں بہت کم فرق پایا جاتا ہے[۲۵] جبکہ تفسیر رائے میں شہرت رکھنے والے مفسرین عظام میں سے اکثر نے اس کی تشریح عقلی استدلال کے مطابق کی ہے۔ علامہ زمخشری متعلقہ آیت کریمہ نقل کرکے فرماتے ہیں کہ اس میں کلام اول اور اس کے مضمون کی طرف اشارہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اختلاف کے لیے اختیار و انتخاب کی طاقت سے بہرہ ور کیا ہے تاکہ حق کو اختیار کرنے والے کو اس کے حسن اختیار کے لیے ثواب سے نوازے اور باطل کے چننے والے کو اس کے برے اختیار کے لیے سزا دے"[۲۶] قاضی ابن العربی مسئلہ خامسہ کے تحت "وَلِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ" کا ذکر کرکے کہتے ہیں کہ اس میں دو قول ہیں: اول، اختلاف کے سبب ان کو پیدا کیا

دوم رحمت کے لیے ان کو تخلیق کیا۔ صحیح یہ ہے کہ ان کو اس لیے پیدا کیا تاکہ وہ اختلاف کریں۔ پھر وہ جس پر چاہے رحم کرے اور جس کو چاہے عذاب دے، جیسا کہ اس نے خود فرمایا: فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيدٌ اور فرمایا فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ" پھر اسی مفہوم کی وہ روایت امام مالک سے نقل کی ہے جس کا ذکر ابن کثیر نے کیا ہے اور اپنے مختار قول کو صحیح قرار دیا ہے۔ شیخ اکبر ابن عربی کی طرف منسوب تفسیر میں بھی یہی تفسیر و تشریح آیت کریمہ منقول ہے۔ امام نسفی کا رجحان بھی اختلاف کی طرف ہے امام قرطبی نے اختلاف کے لیے تخلیق انسانی کے عقیدہ کے ماننے والوں میں حضرات حسن بصری مقاتل اور عطاء کے علاوہ ایک نسخہ کے مطابق یمان کو بھی شامل کیا ہے۔ علامہ ابو السعود بھی اسی اختلاف کے نظریہ کے قائل ہیں اور اسی کی توجیہ اپنی تفسیر میں کی ہے۔ امام بقاعی اختلاف کے لیے انسانوں کی تخلیق کا نظریہ پوری صراحت کے ساتھ قبول کرنے کے ساتھ ساتھ مجمع الاتفاق والاختلاف کی طرف بھی ذٰلک کا اشارہ سمجھتے ہیں[۱۰]

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کچھ مفسرین کرام تو سورۂ ہود کی آیت کریمہ ۱۱۸ میں مذکور تمام انسانوں پر امت واحدہ کی تخلیق کے منشائے الٰہی اور پھر مختلف طبقات میں اس کے منقسم ہو جانے کی واقعیت کے ذکر سے متاثر ہو گئے اور انھوں نے بعد والی آیت کریمہ کو اس کے پس منظر میں دیکھ اور سمجھ کر اس کو ایمان و کفر، اسلام و غیر اسلام اور جنت و جہنم کا سبب بنا دیا اور خود یہ سمجھا اور دوسروں کو سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ اگر چاہتا تو سب انسانوں کو ایمان و اسلام پر پیدا کرتا اور ان میں کسی اختلاف کو روا نہ رکھتا کیونکہ وہ ایمان و کفر دونوں پر پیدا کرنے پر قادر ہے لیکن اس نے انسانوں کو ایمان و کفر، اسلام و غیر اسلام اور حق و باطل کا اختیار دیا اور اختیار و انتخاب کے اسی استعمال پر ان کے معاد و انجام کو طے کیا۔ لہٰذا ان کی تخلیق اسی اختلاف حق و باطل کے امتحان و امتیاز اور اختیار کے لیے کی گئی۔ اس خیال و تصور کو تقویت آیت کریمہ کے آخری حصے سے ملی جس میں اللہ تعالیٰ کے اس کلمہ کے مکمل ہونے کا ذکر ہے کہ وہ جنات اور انسانوں سے جہنم کو ضرور بھر دے گا۔ یہ نقطۂ نظر یا تخلیق انسانی کا مقصد ابن کثیر جیسے ماثور تفسیر کے علمبرداروں کے ہاں بھی صریح یا مضمر انداز میں پایا جاتا ہے[۱۱] اور کچھ مفسرین عظام معتزلی عقیدۂ اختیار انسانی سے شعوری یا غیر شعوری طور پر متاثر ہوئے اور ان کا یہ تاثر ان کی تفاسیر میں بھی در آیا۔ متاخرین یا بعد کے مفسرین کرام میں یہ تاثر پذیری زیادہ ہی نظر آتی ہے۔

ان میں جدید عرب مفسرین اور غیر عرب شارحین دونوں شامل نظر آتے ہیں۔[۱۲]

## جدید مفسرین

برصغیر پاک و ہند کے متعدد عظیم و کبیر اہلِ تفسیر نے اختلافِ دین و مذہب کے لیے انسانوں کی تخلیق کا مقصد بلا نقد و غور قبول کر لیا۔ اور نہ صرف دوسری آیات قرآنی اور احادیث نبوی نظر انداز کر دیں بلکہ اس اہم موضوع پر مجموعی اسلامی نظر بھی نہیں ڈالی حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے اس آیتِ کریمہ کے ترجمہ تک میں اختلاف کا مقصد یوں شامل کر دیا:

| | |
|---|---|
| ولو شاء ربك لجعل الناس | واگر خواستی پروردگار تو البتہ گردانیدی |
| امة واحدة ولا يزالون | مردمان را یک ملت و ہمیشہ باشند مختلف |
| مختلفين الا من رحم ربك | الا آنکہ بروے رحم کردہ است پروردگار تو |
| ولذلك خلقهم ..... | و برائے این اختلاف آفریدہ است ایشاں را |

اور تفسیر فتح الرحمن کے حاشیہ میں یہ مزید صراحت کی کہ اختلاف کی نسبت اہلِ باطل کی طرف ہے نہ کہ اہلِ حق کی طرف کیونکہ وہ امتِ مرحومہ ہیں[۱۳] ان کے اردو مفسر فرزند گرامی حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی نے اس موضوع پر کامل سکوت اختیار کیا ہے۔ مگر ان کے اردو ترجمہ کی ترتیبِ نو اور ترجمانی جدید کرنے والے مولانا محمود حسن کے ترجمہ و تفسیر "موضح فرقان" کی تکمیل کرنے والے مولانا شبیر احمد عثمانی سورۂ ہود کی ان دونوں آیات کی تفسیر یوں فرماتے ہیں: "..... خدا تعالیٰ کی حکمتِ تکوینی اس کو مقتضی نہیں ہوئی کہ ساری دنیا کو ایک ہی راستہ پر ڈال دیتا اسی لیے حق کے قبول کرنے نہ کرنے میں ہمیشہ اختلاف رہتا ہے اور رہے گا۔ مگر فی الحقیقت اختلاف اور پھوٹ ڈالنے والے وہ لوگ ہیں جنھوں نے صاف و صریح فطرت کے خلاف حق کو جھٹلایا۔ اگر فطرتِ سلیمہ کے موافق سب چلتے تو کوئی اختلاف نہ ہوتا۔ اسی لیے "الا من رحم ربک" سے متنبہ فرمایا کہ جن پر خدا نے ان کی حق پرستی کی بدولت رحم کیا وہ اختلاف کرنے والوں سے مستثنیٰ ہیں.... دنیا کی آفرینش سے غرض یہی ہے کہ حق تعالیٰ کی ہر قسم کی "صفاتِ جمالیہ و قہریہ" کا ظہور ہو، اس لیے مظاہر کا مختلف ہونا ضروری ہے تاکہ ایک جماعت اپنے مالک کی وفاداری و اطاعت دکھا کر رحمت و کرم اور رضوان و غفران کا مظہر بنے، جو "الا من رحم ربک" کی مصداق ہے اور دوسری جماعت

اپنی بغاوت و غداری سے اس کی صفتِ عدل و انتقام کا مظہر بن کر حبسِ دوام کی سزا بھگتے۔ جس پر خدا کی یہ بات پوری ہو لاملئن جہنم من الجنۃ والناس اجمعین .... اور تکوینی غرض یہ ہے کہ تشریعی مقصد کو اپنے کسب و اختیار سے پورا کرنے اور نہ کرنے والے دو گروہ ایسے موجود ہوں جو حق تعالیٰ کی صفاتِ جلالیہ و جمالیہ یا بالفاظِ دیگر لطف و قہر کے مورد و مظہر بن سکیں۔"

جدید عہد کے مفسرین عظام میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے اتباعِ کامل میں متعلقہ آیت کریمہ کے ترجمہ / ترجمانی میں لکھا ہے کہ "اسی (آزادیٔ انتخاب و اختیار) کے لیے ہی تو اس نے انھیں پیدا کیا تھا" پھر اس کے حاشیہ تشریحی میں پہلے تقدیرِ الٰہی کی مختصر وضاحت کی ہے اور اسی کے سلسلہ میں فرمایا: "..... لیکن اللہ نے انسان کے بارے میں جو مشیت فرمائی ہے وہ دراصل یہ ہے کہ اس کو انتخاب و اختیار کی آزادی بخشی جائے۔ اسے اپنی پسند کے مطابق مختلف راہوں پر چلنے کی قدرت دی جائے۔ اس کے سامنے جنت اور دوزخ دونوں کی راہیں کھول دی جائیں اور پھر ہر انسان اور ہر انسانی گروہ کو موقع دیا جائے کہ وہ ان میں سے جس راہ کو بھی اپنے لیے پسند کرے اس پر چل سکے تاکہ ہر ایک جو کچھ بھی پائے اپنی سعی و کسب کے نتیجہ میں پائے ...." مولانا موصوف نے اس کی مزید مفصل تشریح کی ہے جس میں واضح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کی اُس آزادیٔ انتخاب میں دخل میں مداخلت نہیں کرتا بلکہ ہر ایک کو اسی انجام کی طرف دھکیل دے گا جو اس نے خود اپنے لیے انتخاب کیا ہے ....[۱۲] دوسرے ممتاز عالمِ دین اور مفسرِ قرآن مولانا امین احسن اصلاحی نے آیتِ قرآنی کے ترجمہ میں "اور اسی لیے ان کو اس نے پیدا کیا ہے" کہہ کر "اسی کے لیے" کی تصریح و تعبیر اختلاف سے نہیں کی تاہم اپنی تشریح میں یہی موقف اختیار کیا ہے: "... وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ یعنی اللہ نے تو لوگوں کو اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ اپنے انتخاب و اختیار سے اپنے آپ کو اپنے رب کے فضل و رحمت کا سزاوار بنائیں۔ یہ امتحان انسان کی خلقت کا ایک لازمی جزو ہے۔ اس سے گزرے بغیر کوئی شخص رحمتِ خداوندی کا حقدار نہیں ہو سکتا....."

آیتِ کریمہ کے بقیہ حصہ کی تشریح میں یہ کہا ہے کہ امتحان میں فیل ہو جانے والے جہنم میں داخل کیے جائیں گے اور اس کا تعلق ابلیس کے جواب سے جوڑا ہے جو اس نے حضرت آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے کہا تھا۔ اس آیتِ کریمہ کی تشریح و تعبیر میں بانی تخلیقِ انسانی کی غرض و غایت بیان کرنے میں کئی اور اہم مفسرین کرام نے یہی موقف اختیار کیا ہے۔

اور واضح کیا ہے کہ انسان کو اسی انتخاب و اختیار کی آزادی کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور اس آزادی کے صحیح یا غلط استعمال پر وہ رحمت الٰہی یا قہر ربانی کے مستحق بنتے ہیں اور اسی کے نتیجہ میں وہ آخرت میں جنت یا جہنم میں قیام کے حقدار بنیں گے۔ مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ "....مگر جس پر آپ کے رب کی رحمت ہو (وہ دین کے خلاف طریقہ اختیار نہ کرے گا) اور (اس اختلاف کا غم یا تاسف یا تعجب نہ کیجئے کیونکہ) اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اسی واسطے پیدا کیا ہے (کہ ان میں اختلاف رہے)....." ان کے مرید و متبع شارح قرآن مولانا عبدالماجد دریابادی نے وہی مفہوم لیا ہے جو ان کے شیخ و مرشد نے لکھا ہے البتہ انھوں نے امام ابوبکر جصاص کے حوالے سے بعض ائمہ تفسیر کا مسلک بھی بیان کر دیا ہے جنھوں نے خلق کا تعلق رحم سے سمجھا ہے..... مولانا مفتی محمد شفیع دہلوی لکھتے ہیں کہ "....مگر جس پر آپ کے رب کی رحمت ہو (وہ دین کے خلاف طریقہ اختیار نہ کرے گا)....اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اسی واسطے پیدا کیا ہے (کہ ان میں اختلاف رہے) مفتی موصوف کی تفسیر و ترجمہ اور تشریح مولانا تھانوی کے الفاظ میں ان کا اختصار ہے۔ اگرچہ مولانا ابوالکلام آزاد نے اختلاف کے لیے تخلیق انسانی کی صراحت نہیں کی ہے تاہم ان کی مراد بھی وہی معلوم ہوتی ہے مگر علامہ ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری نے اختیار کے لیے پیدا کرنے کی صراحت کی ہے۔ یہی موقف سید قطب کا ہے۔ اس ضمن میں یہ بہت اہم بات ہے کہ ان تمام مفسرین و شارحین میں سوائے ایک کے تخلیق انسانی کی دوسری غرض و غایت یا اس سے متعلق روایات کا قطعی ذکر نہیں کیا ہے بلکہ ان کا حوالہ تک نہیں دیا ہے پھر وہ دوسری آیات قرآنی یا احادیث نبوی یا اسلامی روایات کا ذکر کیونکر کرتے۔[۱۶]

## ج) تخلیق برائے اختلاف و رحمت

قاضی بیضاوی اس باب میں ان مفسرین کرام کی ترجمانی کرتے ہیں جو کوئی صاف موقف اختیار نہیں کرتے بلکہ منفرد طور سے آیت کریمہ کی تشریح و تعبیر کرتے ہیں اور اسی طرح تخلیق انسانی کی غرض و غایت کے بارے میں گومگو کا مبہم طریقہ اپناتے ہیں۔ "ولذلک خلقھم" کی تشریح میں وہ فرماتے ہیں کہ اگر ضمیر "الناس" کے لیے ہے تو اشارہ اختلاف کی طرف ہے اور لام (لذلک کا) انجام / عاقبت کے لیے ہے یا اس کی طرف سے اور رحمت

کی طرف ہے۔ واگر ضمیر "من" کے لیے ہے تو اشارہ رحمت کی جانب ہے[۳۴]" اسی تطبیق نقطۂ نظر کے علمبردار امام بغوی ہیں جو اختلاف اور رحمت کے لیے تخلیق انسانی کے دونوں اقوال بالترتیب حضرات حسن، عطاء اور مالک کے اول الذکر کے لیے اور حضرات ابن عباس، مجاہد، قتادہ اور ضحاک کا موخرالذکر کے لیے نقل کر کے ابو عبیدہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ "میں جس قول کو اختیار کرتا ہوں وہ ان کا ہے جو اس کے قائل ہیں کہ ایک فریق کو اپنی رحمت کے لیے اور ایک فریق کو اپنے عذاب کے لیے اس نے پیدا کیا۔ فراء کا قول ہے کہ اہل رحمت کو رحمت کے لیے اور اہل اختلاف کو اختلاف کے لیے پیدا کیا۔ محصول و حاصل آیت یہ ہے کہ اہل باطل مختلف ہیں اور اہل حق متفق ہیں لہٰذا اللہ نے اہل حق کو اتفاق کے لیے اور اہل باطل کو اختلاف کے لیے پیدا کیا۔ امام سیوطی کا بھی یہی ارشاد ہے کہ اہل اختلاف کو اختلاف کے لیے اور اہل رحمت کو رحمت کے لیے پیدا کیا۔ امام قرطبی نے تینوں اقوال بیان کر کے اسی قول مالک کو احسن الاقوال قرار دیا ہے کہ وہ عام ہے اور انسانوں کی تخلیق کے باعث سے متعلق ہے۔ امام رازی نے بھی تینوں مسالک بیان کر کے اسی کو مختار کہا ہے اور اس کے لیے تین دلیلیں دی ہیں: اوّل یہ کہ علم وجہالت بندے میں تخلیق الٰہی سے آتے ہیں دوم یہ کہ انسانوں کی اہل اختلاف اور اہل رحمت میں تقسیم علم الٰہی کے مطابق ہے اور سوم آیت کریمہ کا آخری جملہ اس کی تصریح کرتا ہے۔

بعض مفسرین ایسے بھی نظر آتے ہیں جو تطابق و توافق کے ہر معاملے میں قائل نظر آتے ہیں اور بسا اوقات وہ دو متضاد خیالات روایات میں تطبیق کی راہ نکال ہی لیتے ہیں۔ مثلاً حضرت حسن بصری سے ایک یہ روایت بھی نقل کی گئی ہے کہ وہ سورہ ہود کی اس آیت کریمہ کی مراد یہ قرار دیتے تھے کہ ان کی تخلیق رحمت اور اختلاف دونوں کے لیے کی گئی تھی۔ لیکن یہ روایت راوی کے نزدیک بھی مجروح ہے کیونکہ "قیل" (کہا گیا) کے لفظ سے اس کو نقل کیا گیا ہے جو اس کے ضعف و ناقابل اعتباری یا مجروحیت کی ایک دلیل ہے۔ قاضی ثناء اللہ عثمانی حنفی نے بھی دونوں اقوال بیان تو کئے ہیں لیکن پھر امام بغوی کے قول کو ترجیح دی ہے کہ "اس تاویل (اشارہ اختلاف و رحمت دونوں کی طرف ایک ساتھ ہے) کی تائید اللہ تعالیٰ کے قول وتمت کلمۃ ربک.....[۳۵] سے بھی ہوتی ہے۔

## (د) تخلیق انسانی برائے رحمت الٰہی - قدیم مفسرین

مفسرین کرام کے ایک بڑے قدیم و جدید طبقہ کا خیال ہے کہ آیت کریمہ کے فقرہ ولذلک خلقهم میں ضمیر رحمت کے لیے ہے جو الا من رحم ربك میں موجود ہے اور اس بنا پر تخلیق انسانی کی غرض و غایتِ رحمت الٰہی سے انسانوں کی فیضیابی ہے۔

اہم ترین بات یہ ہے کہ صحابہ کرام میں سے ترجمان القرآن حضرت ابن عباس کی یہی توجیہ و تفسیر ہے جو ممکن ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہو ۔ کیونکہ مراسیل صحابہ میں اس کا قوی امکان رہتا ہے۔

صحابہ کرام کا طبقۂ اولین کے بعد تابعین عظام کا طبقۂ دوم میں سے تمام جلیل القدر مفسرین جیسے حضرت قتادہ، ابن دعامہ سدوسی (۶۱-۱۱۷ھ / ۶۸۰-۷۳۵ء) مجاہد بن جبیر مخزومی (۲۱-۱۰۴ھ / ۶۴۲-۷۲۲ء) عکرمہ بربری مولی ابن عباس (م ۱۰۵ھ / ۷۲۲ء) طاؤس بن کیسان یانی (م ۱۰۶ھ / ۷۲۴ء) نے رحمتِ الٰہی ہی کو باعث تخلیق انسان اور مقصود وجود آدمی مانا ہے۔ اگرچہ حضرت ضحاک بن مزاحم ہلالی بلخی (م ۱۰۵ھ / ۷۲۳ء) صحابہ کرام سے براہ راست روایت نہیں کرتے تاہم وہ اس دور کے عظیم مفسر تھے[۱۹]

قدیم ترین صاحب کتاب مفسرین میں حضرت سفیان ثوری (۹۷-۱۶۱ھ / ۷۱۶-۷۷۸ء) کا یہی خیال ہے کہ رحمتِ الٰہی انسان کے وجود کا مقصود ہے[۲۰]

متعدد قدیم و متوسط مفسرین و شارحین نے رحمت الٰہی کے لیے انسان کی تخلیق کے نظریہ کو بوجوہ و بدلائل ترجیح دی ہے۔

امام طبری وغیرہ متعدد حضرات نے اس نقطۂ نظر کو پیش کرنے والی روایات بھی نقل کی ہیں اگرچہ ان میں سے کئی نے ان سے اتفاق نہیں کیا۔ امام طبری اس کا آغاز یوں کرتے ہیں کہ دوسرے مفسرین نے کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ رحمت کے لیے ان کو پیدا کیا اور پھر اس نقطۂ نظر کے قائلین و حامیین میں مشہور تابعی مفسر مجاہد بن جبیر سے پانچ مختلف الاسناد روایت نقل کی ہیں۔ دوسرے تابعی مفسر حضرت قتادہ بن دعامہ اور حضرت ضحاک سے ایک ایک اور حضرت عکرمہ مولیٰ حضرت ابن عباسؓ سے دو روایات روایت کی ہیں۔ آخری روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ عظیم ترین صحابی مفسر قرآن

کا قول نقل کیا ہے کہ "رحمت" کے لیے اس نے ان کو پیدا کیا اور عذاب کے لیے نہیں پیدا کیا (للرحمۃ خلقھم، ولم یخلقھم للعذاب) امام سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ ان کو رحمت کے لیے پیدا کیا۔ (للرحمۃ خلقھم)[۲۱]

حافظ ابن کثیر نے رحمت الٰہی کے لیے تخلیق انسانی کی روایات میں ابن جریر طبری پر مذکورہ بالا روایات نقل کرنے کے علاوہ بعض اور روایات واقوال کا اضافہ بھی کیا ہے۔ ان میں سے ایک بہت دلچسپ اور اہم ہے۔ مشہور تابعی حضرت طاؤس بن کیسان کی موجودگی میں دو آدمیوں نے سخت اختلاف کیا تو حضرت طاؤس نے ان سے کہا کہ تم دونوں نے اختلاف کیا اور بہت کیا۔ اس پر ایک شخص نے جواب دیا کہ ہم اسی کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ حضرت طاؤس نے فرمایا: تم نے جھوٹ کہا۔ کیا اللہ تعالیٰ نہیں فرماتا ہے: "ولا یزالون مختلفین الا من رحم ربک ولذلک خلقھم" پھر فرمایا: ان کو اس لیے نہیں پیدا کیا کہ وہ اختلاف کریں بلکہ ان کو جماعت ورحمت کے لیے پیدا کیا ہے پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت وتشریح بیان کی۔ حافظ موصوف حضرات مجاہد وضحاک وقتادہ کے مذکورہ بالا اقوال کا حوالہ دے کر فرماتے ہیں کہ "اس قول کے معنی اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف راجع ہوتے ہیں: وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون" یعنی امام ابن کثیر کے مطابق سورۂ ہود اور سورۂ ذاریات کی دونوں آیاتِ قرآنی جو تخلیق انسانی کا مقصد بتاتی ہیں ایک دوسرے کی تصدیق و تائید اور تشریح وتعبیر کرتی ہیں[۲۲]

علامہ ابن قتیبہ (متوفی ۲۱۳ھ) نے رحمت الٰہی سے فیضیابی کی خاطر تخلیق انسانی کا قول پسند کیا ہے کیونکہ وہ آیاتِ کریمہ کی یوں تشریح کرتے ہیں کہ "لوگ برابر اپنے دین میں مختلف رہیں گے" سوائے ان لوگوں کے جن پر تمہارا رب رحم کرے" کیونکہ ان کا دین ایک ہے جس میں وہ مختلف نہیں ہیں" اور اسی کے لیے ان کو پیدا کیا ہے" یعنی اپنی رحمت کے لیے ان کو پیدا کیا ہے جو اپنے دین میں اختلاف نہیں کرتے۔ بعض لوگ (قوم) اس طرف بھی گئے ہیں کہ اختلاف کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا ہے" علامہ موصوف کی ترجیح سے صاف ظاہر ہے کہ وہ تخلیق انسانی کا مقصد اور غرض وغایت رحمتِ الٰہی سے سرفراز ہونا سمجھتے ہیں۔ اور اختلاف کے لیے ان کی تخلیق کے قول کو مجروح گردانتے

ہیں مشہور حنفی فقیہ اور شارحِ قرآن ابوبکر جصاص بھی اس خیال سے اتفاق کرتے ہیں۔ "ولذلک خلقهم" کی تفسیر و تشریح میں لکھتے ہیں کہ "حضرات ابن عباسؓ اور مجاہد اور قتادہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو رحمت کے واسطے پیدا کیا ہے۔ حضرت ابن عباس سے بھی اور حضرات حسن و عطا سے بھی روایت کی گئی ہے کہ اس نے ان کو ان کے اختلاف کے بارے میں اپنے علم پر پیدا کیا ہے۔ اس صورت میں لام عاقبت ہے اور کلامِ عرب سے اس کی مثال دی ہے۔" ظاہر ہے امام جصاص کی ترجیح رحمتِ الٰہی کے لیے تخلیقِ انسانی بتانے والے قول کے حق میں جاتی ہے۔ امام رازی اگرچہ اختلاف و رحمۃ دونوں کے لیے تخلیق کیے جانے کے قائل ہیں تاہم انھوں نے رحمت کے نظریہ کے قائلین کے بارے میں کافی تفصیل دی ہے۔ جملہ تین[۳] وجوہ بیان کیے ہیں اول ضمیر اقرب کی طرف راجع ہوتی ہے اور وہ رحمت ہے جبکہ اختلاف سب سے دور ہے۔ دوم اللہ تعالیٰ کے لیے یہ جائز نہ ہوتا کہ وہ اختلاف کے لیے پیدا کرنے کے بعد ان کو عذاب دیتا۔ سوم یہ سورۂ ذاریات ۵۶ کے مطابق ہے۔ امام رازی نے ایک عجیب بات یہ کہی ہے کہ یہ جمہور معتزلہ کا اختیار و قول ہے۔ امام مہائمی نے رحمت کے لیے ان کی تخلیق مانی ہے۔ امام شوکانی کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے[۲۲]۔

## جدید مفسرین

برصغیر پاک و ہند کے جدید مفسرین میں صرف علامہ سید سلیمان ندویؒ ایسے واحد مفسر و شارحِ قرآنِ کریم کی حیثیت سے مل سکے ہیں جو تخلیقِ انسانی کی غرض و غایت رحمتِ الٰہی کو سمجھتے ہیں اگرچہ وہ اصطلاحی معنوں میں صاحبِ کتاب مفسر نہیں ہیں۔ انھوں نے اپنی عظیم معرکۃ الآرا تالیف سیرت النبی میں اس موضوع پر مفصل بحث کی ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اس لیے نہیں بنایا کہ وہ ان کو پیدا کر کے دوزخ کا ایندھن بنائے بلکہ اس نے تو ان کو اپنی رحمت کے ظہور کے لیے پیدا کیا، غیظ و غضب کے اظہار کے لیے نہیں ....." اس کی تائید وہ سورۂ احزاب ۴۳، سورۂ مومن ۷، سورۂ طٰہٰ ۵ وغیرہ سے فراہم کی ہے مزید لکھتے ہیں: "پھر اپنی رحمت سے سب سے آخر میں اپنی رحمت کے کامل مظہر کو دنیا میں بھیجا اور سورہ انبیاء ۱۰۷ کو نقل کرتے ہیں جو آپ کو رحمۃ للعالمین بتاتی ہے اور آخر میں سورۂ ہود کی آیاتِ کریمہ متعلقہ نقل

کرکے فرماتے ہیں: "اس آیت سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو رحمت کے لیے بنایا ہے، عذاب کے لیے نہیں" اور طبری سے حضرت ابن عباس کی تفسیر آیت نقل کرتے ہیں۔ وہ رحمتِ الٰہی عام کے بارے میں متعدد آیات جیسے انعام ۱۲، ۵۴، ۱۶۱ اعراف ۱۵۶، کہف ۵۸، زمر ۵۳ وغیرہ بھی نقل کرکے یہی خیال ظاہر کرتے ہیں کہ عذاب کا مستحق انسان خود اپنی بداعمالیوں سے بنتا ہے۔ سید موصوف کو اپنے نظریہ اور تفسیر آیت پر اتنا جزم و اعتماد ہے کہ وہ اختلاف والی روایات کا حوالہ تک نہیں دیتے اور نہ مفسرین کے اختلاف کا ذکر کرتے ہیں۔ بعض دوسرے جدید مفسرین بھی ان کے خیال کے حامی نظر آتے ہیں لیکن ان کے ہاں تصریح و وضاحت نہیں ملتی جیسے مشہور انگریزی مترجم و مفسر علامہ عبداللہ یوسف علی وغیرہ۔[۲۴]

## (س) اقوال مفسرین کا تجزیہ: اصل مقصود رحمت

سورۂ ہود کی آیت کریمہ ۱۱۹ کے بارے میں تمام تفسیری روایات، اقوال، تشریحات اور تعبیرات کے تجزیہ اور محاکمہ سے یہ حقیقت واضح و روشن ہو جاتی ہے کہ تخلیق انسانی کی غرض و غایت رحمتِ الٰہی سے تمتع اور سرفرازی ہے۔ جیسا کہ اس نقطۂ نظر کے حاملین و قائلین عالی مقام کی تصریحات و ارشادات سے واضح ہو چکا ہے۔ پھر اسی نقطۂ نظر کی مزید تصدیق قرآنِ کریم کی بعض دوسری آیاتِ مقدسہ سے بھی ہوتی ہے۔ ان میں سب سے پہلے تو سورۂ ذاریات کی آیت کریمہ ۵۶ ہے جس کا ذکر ابتدا میں آ چکا ہے اور جس سے کسی حد تک استدلال امام ابن کثیر وغیرہ نے بھی کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ "میں نے جنات اور انسانوں کو اسی لیے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں"۔ گویا دوسرے الفاظ میں خلق انسانی کا مقصود عبادتِ الٰہی ہے اور جو کوئی اپنے اس مقصدِ حقیقی کو پہچانتا اور اس کے مطابق عمل کرتا ہے وہ رحمتِ الٰہی کا حقدار بن جاتا ہے اور جو لوگ اپنی تخلیق کی اس غرض و غایت کو نہیں پہچانتے یا پہچان کر اس سے انحراف کرتے ہیں اور عبادتِ الٰہی نہیں کرتے وہ اپنے مقصدِ تخلیق کو نظر انداز کرنے کے سبب اپنے آپ کو رحمتِ الٰہی سے محروم کر لیتے ہیں۔ ان کے جادۂ باطل یا راہِ کفر و شرک کا انتخاب و اختیار ان کی تخلیق کے مقصود و مطلوب کے خلاف ہے جبکہ عبادتِ الٰہی کرنے والوں کا اختیار و انتخابِ راہِ حق اور جادۂ ایمان ان کے پیدائش کے مقصد اور غرض و غایت کے مطابق ہے۔ سچ یہ ہے کہ کفر و ضلال کا انتخاب

کرنے والوں اور ایمان و حق پر چلنے والوں دونوں کی پیدائش تو رحمت الٰہی کے لیے اور اس کے سبب ہوئی تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ اہل کفر و ضلال نے انتخاب و اختیار کی آزادی میں غلطی کا ارتکاب کیا۔ تمام دوسری مخلوقات کے مقابلہ میں جنوں اور انسانوں کو فعل و عمل اور عقیدہ و خیال کی آزادی اور انتخاب و اختیار کا جو حق دیا گیا ہے وہ اس بنا پر نہیں دیا گیا کہ یہ آزادی انتخاب و اختیار ان کی خلقت کی غرض و غایت ہے۔ یہ تو عقل سلیم فطرت الٰہی اور جوہر ایمانی کی آزمائش و امتحان ہے۔ نہ کہ ان کی تخلیق کی غرض و غایت۔ تخلیق کا عمل تو اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات سے وابستہ اور اس کی صفت خلاقی سے پیوستہ ہے جو سراسر رحمانیت و رحیمیت ہے۔ جبکہ انتخاب و اختیار انسانی کا تعلق تقدیر الٰہی سے ہے جو اس کی خلاقی و علم کے علاوہ بعض اور خارجی مظاہر و اسباب سے بھی وابستہ ہے[۲۵] اس پر بحث پھر آتی ہے۔

## آیاتِ الٰہی اور احادیثِ نبوی سے تائید

انسان کی تخلیق و تعمیر کی غرض و غایت کی وضاحت بعض اور احادیث نبوی میں بھی ملتی ہے۔ سورہ الروم ۳۰ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

| | |
|---|---|
| فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ | سو تو سیدھا رکھ اپنا منہ دین پر ایک |
| حَنِيْفًا ۭ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ | طرف کا ہو کر، وہی اللہ کی فطرت ہے جس |
| فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ لَا تَبْدِيْلَ | پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا۔ اللہ کی تخلیق |
| لِخَلْقِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ڎ | میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی، یہی سیدھا دین |
| وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ | ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ |

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں تمام قدیم و جدید مفسرین عظام نے فطرت اللہ سے مراد فطرت سلیمہ، اسلام، ایمان اور حق وغیرہ لیا ہے الفاظ مختلف اور تعبیرات الگ ہیں لیکن سب کا مقصود صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں/انسانوں کو اسلام یا حق پر پیدا کیا ہے جو دین قیم ہے اور اللہ کی اس فطرت میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوتی۔ اگر انسانوں کو ان کے اپنے اصل حالات پر چھوڑ دیا جائے تو ان کی فطرت ان کو سوائے دین حق کے اور کسی طرف جانے ہی نہ دے گی۔ اسی کی تائید میں متعدد دوسری آیات الٰہی آئی ہیں جن کا مفہوم و مقصود ایک ہی ہے اور ان میں نمائندہ اور اہم ترین سورۂ یونس ۱۹ ہے:

| | |
|---|---|
| وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً | اور لوگ تو ہیں سو ایک ہی امت ہیں |
| فَاخْتَلَفُوا ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ | پیچھے جدا جدا ہو گئے اور اگر نہ ایک بات |
| مِن رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيمَا | پہلے ہو چکتی تیرے رب کی تو فیصلہ ہو جاتا |
| فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝ | ان میں جس بات میں کہ اختلاف کرتے ہیں۔ |

سورۂ ہود کی آیتِ زیرِ بحث کی تشریح یہ آیتِ کریمہ کرتی ہے اور واضح حقیقت بتاتی ہے کہ تخلیق کے اعتبار سے تو اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ایک ہی امت بنایا تھا لیکن انسانوں نے از خود اختلاف کر کے امت کو تقسیم کر دیا۔ سورۂ ہود کی آیتِ کریمہ کی تفسیر اس کلام و تفسیرِ الٰہی کی روشنی میں یہ ہے کہ ان کے اختلاف کو دور کر کے ان کو ایک امتِ واحدہ وہ بنائے رکھتا، نہ کہ اس نے شروع سے ان کو مختلف بنایا۔ یہ بات بہت اہم ہے کہ تمام مفسرینِ کرام نے سورۂ یونس کی آیتِ کریمہ کا یہی مفہوم بیان کیا ہے لیکن سورۂ ہود کی آیتِ مقدسہ کے ضمن میں اس کو نظر انداز کر دیا۔ یہ آیت خاص کر اور اسی مفہوم کی دوسری آیاتِ قرآنی واضح کرتی ہیں کہ انسان کی تخلیق رحمِ الٰہی کے لیے ہے نہ کہ اختلاف کے لیے۔

متعدد احادیثِ نبوی سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ تخلیقِ انسانی فطرت پر ہوئی ہے اور وہ رحمتِ الٰہی کو مستلزم ہے۔ ان میں اہم ترین حدیث صحیحین کی ہے:

| | |
|---|---|
| ما من مولود يولد الا على | ہر بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے مگر اس |
| الفطرة فابواه يهودانه او | کے والدین اس کو یہودی یا نصرانی یا |
| ينصرانه او يمجسانه ۔۔۔ الخ | مجوسی بنا دیتے ہیں۔ |

دوسری حدیثِ قدسی ہے:

| | |
|---|---|
| انی خلقت عبادی حنفاء | میں نے تو اپنے بندوں کو مسلم |
| فاجتالتهم الشياطين عن | پیدا کیا لیکن شیطانوں نے ان کو ان |
| دينهم | کے دین سے گمراہ کر دیا۔ |

یہی تمام آیاتِ کریمہ اور احادیثِ نبویہ سے حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بلکہ تمام مخلوقات کو اپنی رحمت سے نوازنے کے لیے پیدا کیا ہے۔ جو لوگ شیاطین یا والدین یا دوسرے غالب عناصر کے سبب اپنے اختیار و اپنی آزادی کا غلط استعمال کرتے ہیں وہ رحمتِ الٰہی سے دور ہو جاتے ہیں اور تخلیقِ انسانی کی غایت کے خلاف جاتے ہیں

ہوئی تھی۔[۴۶]

## اسلامی شریعت کی توثیق

اختیار و انتخاب کی آزادی اور اس کے صحیح یا غلط استعمال پر رحمتِ الٰہی یا قہرِ ربانی کی حقداری کے لیے بعض خارجی اسباب و عوامل اور شرائط کی بھی ضرورت اسلامی شریعت اور اصول نے تسلیم کی ہے۔ ان میں سے ایک اہم اصول یا تشریعی قانونِ تکلیف ہے۔ ہر انسان خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم اس قانون کے مطابق اختیار و انتخاب کا مقدار اسی وقت ہوتا ہے جب وہ بلوغت کی سرحد پار کرے۔ مسلم پر بلوغت سے قبل فرائض و واجباتِ اسلامی عائد نہیں ہوتے اور غیر مسلم پر ایمان و کفر، حق و باطل اور اسلام و غیر اسلام میں انتخاب و اختیار کی آزادی کا حق نہیں عائد ہوتا یا اختیار معتبر نہیں ہوتا یہی سبب ہے کہ مکلّف (شرعی فرائض کا پابند) ہونے کی عمر سے قبل غیر مسلم کی اولاد بھی غیر مسلم یا جہنمی یا رحمتِ الٰہی سے دور نہیں سمجھی جاتی بلکہ ان کو فطرت پر قائم سمجھا جاتا ہے کیونکہ وہ ابھی تک اپنے حقِ اختیار و انتخاب کو استعمال کرنے کے قابل ہی نہیں ہوئے اور اگر وہ بلوغت سے قبل موت کا شکار ہو جائیں تو ان کو رحمتِ الٰہی سے محروم نہیں سمجھا جاتا۔ ظاہر ہے کہ ان کی تخلیق پر رحمِ مادر سے وجودِ ہستی پانے اور بلوغت تک کا پورا یا کچھ عرصہ گذارنے کا موقع / عرصہ گذر چکا۔ اگر ان کی تخلیق اختلافِ مذاہب کے لیے ہوئی تھی جیسا کہ بعض مفسرین و شارحین کا دعویٰ اور خیال ہے تو یہ اختلاف ان کی پیدائش سے قبل اگر نہیں باعث تخلیق بنتا تو کم از کم ان کی پیدائش کے بعد ان کی بلوغت کے زمانے کے قبل کے عرصہ میں تو بننا چاہیئے۔ اگر یہ دلیل دی جائے کہ پیدائش کے بعد وہ اپنے والدین یا سرپرستوں کے زیر اثر غیر حق قبول کر چکے اور غیر اسلام کے جادہ پر گامزن ہو چکے تو یہ انتخاب و اختیار ہو چکا اور اس کے سبب اختلاف بھی رو بہ عمل آ چکا۔ مگر یہ دلیل و استدلال یوں صحیح نہیں ہے کہ سرحدِ تکلیف یا حدِ لزومِ شریعت کو تو وہ پہنچے ہی نہیں لہٰذا انھوں نے اپنے انتخاب و اختیار کا حق استعمال کیا ہی نہیں، اور جس غیر حق دین یا غیر اسلام پر وہ گامزن نظر آتے ہیں وہ ان کا انتخاب ہے ہی نہیں، وہ تو ان کے والدین یا سرپرستوں کا انتخاب ہے یا دوسرے الفاظ میں ان پر ان کے بزرگوں کا تسلطِ بیجا ہے۔ لہٰذا جب تک یہ تسلطِ بیجا دور نہ ہو اور

ان کو اپنے اختیار کا حق نہ ملے یعنی وہ مکلف و پابندِ اوامرِ الٰہی نہ بنیں نہ ان کا اختلافِ مذاہب اختلاف ہی ہے اور نہ جادۂ حق سے ان کا انحراف انحراف ہی ہے۔ اسی سبب سے وہ احادیثِ نبویہ وارد ہوئی ہیں جن میں اولادِ مشرکین کے رحمتِ الٰہی سے محروم نہ ہونے کا مفہوم موجود ہے[۲۶]

## قانونِ رسالت کی تصدیق

مزید برآں ایک اور غیر مبدّل اور حتمی قانونِ الٰہی ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ اور اپنی وحی و ہدایت کے واسطہ سے کسی قوم یا تمام انسانوں پر دینِ حق / اسلام کی حجت تمام نہیں کر دیتا وہ ان کو اپنی رحمت سے محروم نہیں کرتا۔ سورۂ اسراء ۱۵ میں اس قانونِ الٰہی کی یوں وضاحت کی گئی ہے:

| | |
|---|---|
| مَنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي | جو کوئی راہ پر آیا تو آیا اپنے ہی بھلے کو |
| لِنَفْسِهِ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا | اور جو کوئی بہکا رہا تو بہکا رہا اپنے ہی برے |
| وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ وَمَا كُنَّا | کو۔ اور کسی کو نہیں پڑتا بوجھ دوسرے |
| مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا ۝ | کا اور ہم نہیں ڈالتے بلا جب تک بھیجیں کوئی رسول۔ |

اس میں بنیادی اور اس بحث سے متعلق فقرۂ الٰہی یہ ہے کہ "ہم عذاب نہیں دینے والے تاآنکہ ایک رسول نہ بھیج دیں" حافظ ابن کثیر نے اس کی توضیح کرتے ہوئے فرمایا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کے عدل کے بارے میں خبر ہے کہ وہ کسی کو اس وقت تک عذاب نہیں دیتا جب تک ان کی طرف رسول بھیج کر ان پر حجت تمام نہ کر دے۔ اس کی تائید میں حافظ موصوف نے بعض دوسری آیاتِ کریمہ کے علاوہ کئی احادیث نبویہ بھی نقل کی ہیں۔ تائیدی آیاتِ کریمہ ہیں:

| | |
|---|---|
| (۱) كُلَّمَا أُلْقِيَ فِيهَا | جس وقت پڑے اس میں ایک |
| فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ | گروہ پوچھیں ان سے دوزخ کے داروغہ |
| يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ ۝ | کیا نہ پہنچا تھا تمہارے پاس کوئی ڈر |
| (ملک: ۸) | سنانے والا۔ وہ بولیں کیوں نہیں ہمارے |
| | پاس پہنچا تھا ڈر سنانے والا پھر ہم نے جھٹلایا… |
| (۲) وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا | اور ہانکے جائیں جو کافر تھے دوزخ کی |

| | |
|---|---|
| اِلٰی جَہَنَّمَ زُمَرًا حَتّٰی اِذَا | طرف گروہ گروہ، یہاں تک جب پہنچ جائیں |
| جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا | اس پر کھولے جائیں اس کے دروازے، اور |
| وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَأْتِكُمْ | کہنے لگیں ان کو اس کے داروغہ کیا نہ پہنچے |
| رُسُلٌ مِّنْكُمْ ○ (زمر: ۷۱) | تھے تمہارے پاس رسول تم میں کے۔ |

حافظ ابن کثیر نے سورۂ فاطر ۳۷ نقل کر کے کہا ہے کہ ایسی بہت سی آیات کریمہ ہیں جو یہ بتاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی کو جہنم میں اسی وقت ڈالتا ہے جب وہ اپنے رسولوں کو اس کے پاس بھیج چکتا ہے۔ ایسی دوسری آیات میں سورۂ مائدہ ۱۹،۱۸، سورۂ قصص ۴۶، سورۂ سبا ۳۴ وغیرہ متعدد آیات شامل ہیں۔ حافظ موصوف نے رسولوں کے ذریعہ حجت قائم وتمام کرنے کے ساتھ کفار کے نابالغ/اولاد/بچوں، پاگل، بہرے اور انتہائی بوڑھے (الشیخ الحرم) کے بارے میں علماء کے اختلاف کا ذکر کر کے متعدد احادیث نقل کی ہیں اور ان کا ذکر اوپر آچکا ہے۔[۲۹]

## اسلوبِ قرآنی کی شہادت

اس آیتِ کریمہ میں زبان واسلوب کے لحاظ سے بھی ایک نکتہ نکالا جاسکتا ہے جو اشارہ کرتا ہے کہ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ میں ذٰلِكَ کا اشارہ "اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ" میں "رحم" کی طرف ہے کیونکہ تخلیق کا ذکر کرنے والا فقرہ رحم کرنے والے فقرہ کے متصلاً بعد آیا ہے۔ لہٰذا یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ اس کو "لَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ" کی جانب راجع کیا جائے۔ پھر اگر اس کو متصل فقرہ کی طرف راجع نہیں کیا جاسکتا اور بعید ترین فقرہ/جملہ کی طرف راجع کرنا ہے تو "اُمَّةً وَّاحِدَةً" کی طرف راجع کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادۂ اصلی اور منشا، ومرضی یہی تھی کہ سب انسان ایک امت واحدہ ہی ہوں لیکن لوگوں نے اپنی ہٹ دھرمی سے اس کی مرضی کے خلاف اختلاف کر کے شیرازۂ امت بکھرا دیا۔ ان دونوں آیات کریمہ میں فصل کیا گیا ہے۔ "مُخْتَلِفِيْنَ" پر اول آیت تمام ہوجاتی ہے یعنی اس پر ایک بات ختم ہوجاتی ہے اور "اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ" سے دوسری آیت شروع ہوتی ہے اور اس سے نئی بات/نئی حقیقت کا آغاز ہوتا ہے۔ لہٰذا "وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ" میں حرفِ اشارہ "ذٰلِكَ" اپنی آیت کی طرف اور اس کی حقیقت کی طرف راجع ہوتا

ہے جو اس میں بیان کی گئی نہ کہ اس سے قبل کی آیت کریمہ کی طرف جس میں ایک دوسری بات / حقیقت بیان کی گئی ہے اور جو اسی میں مکمل اور ختم ہو گئی ہے۔ فعل کے اعتبار سے غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں آیاتِ کریمہ میں دو قسم کے فعل استعمال کیے گئے ہیں: اول وہ فعل جن کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے یا ان کی نسبت اس کی طرف کسی طرح سے کی گئی ہے۔ دوم وہ فعل جس کے فاعل انسان ہیں اور وہ صرف ایک فقرہ "لایزالون مختلفین" میں پایا جاتا ہے۔ باقی افعال "شاء" "جعل"، "رحم"، "خلق"، "تمت"، اور "لاملئن" سب کے سب کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے۔ اس اعتبار سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ "خلق" کا تعلق "رحم" سے ہے نہ کہ "لایزالون مختلفین" سے پھر معنوی لحاظ سے دیکھا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ ان تمام افعال میں اختلاف کرنا انسانوں کا فعل ہے نہ کہ اللہ کا۔ اللہ تعالیٰ نے اختلاف کرنے کی نسبت انسانوں کی طرف کر کے یہ حقیقت واضح کی ہے کہ اس کا تعلق انسانوں کے ارادہ و اختیار سے ہے لہٰذا اس کی طرف اللہ تعالیٰ کے فعلِ تخلیق کی نسبت کیسے کی جا سکتی ہے؟ اب رہا "ذالک" کے حرفِ اشارہ بعید ہونے کا مسئلہ تو وہ ویسا ہی ہے جیسا "الم ذالک الکتاب لاریب فیہ" میں ہے۔ زبان و اسلوب کے اعتبار سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ "خلقھم" کا تعلق "رحم ربک" سے ہے یعنی انسانی تخلیق رحمتِ الٰہی کے لیے ہوئی ہے نہ کہ اختلاف کے لیے۔[۲۰]

## دلائلِ عقلی کی گواہی

عقلی اعتبار سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت و کرم سے نوازنے کے لیے پیدا کیا ہے نہ کہ اختلاف اور اس کے نتیجہ میں عذاب کے لیے۔ جو اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی دونوں رحیمی صفات ـ الرحمٰن الرحیم ـــ سے اپنے کلام پاک کا آغاز کرتا ہے اور بسم اور سورۂ فاتحہ دونوں جگہ دو بار اپنے نامِ نامی اور اسمِ جلالی کے ساتھ "الرحمٰن الرحیم" کی صفات بیان کر کے یہ واضح کرتا ہے کہ وہ اصلاً رحمان و رحیم اور پیکر رحم و کرم ہے وہ انسانوں کو اختلاف کے لیے کیونکہ پیدا کر سکتا ہے۔ سورۂ فاتحہ میں اس نے اپنی ایک اور صفتِ رحیمی "رب العالمین" (سارے جہانوں کا پالن ہار) بھی اسی کے ساتھ لگائی وہ بھی اس کے رحم و کرم کی ایک عظیم علامت ہے۔ پھر اس نے واضح طور سے یہ بھی فرما دیا کہ "رحمتی وسعت

کل شئی ؕ" (سورۂ اعراف ۱۵۶: میری رحمت ہر شے پر حاوی ہے) لہٰذا اس کا قہر و جلال اور اس کا عذاب و سزا تو بعد کی بات ہے اور وہ بھی انسانوں کے اعمالِ سیئہ اور اختلاف کا نتیجہ ہے دراصل وہ انسانوں کا خالق اس لیے ہے کہ رحیم و کریم اور مہربان ہے اور ان کو اس نے اسی لیے پیدا کیا ہے کہ ان پر رحم و کرم فرمائے۔ یہ بھی ایک حقیقتِ مسلمہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اپنے رحم و کرم سے از خود محروم نہیں کرتا۔ یہ تو ناشکرے اور ناسمجھ انسان ہیں جو اپنی بیوقوفی اور بداعمالی سے اس سے اپنے آپ کو محروم کر لیتے ہیں۔ عقلی طور سے اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (سورۂ آل عمران ۱۹: بیشک دین جو ہے اللہ کے ہاں سو یہی اسلام ہے) اور ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ (سورۂ آل عمران ۸۵: اور جو کوئی چاہے سوا دینِ اسلام کے اور کوئی دین سو اس سے ہرگز قبول نہ ہوگا) اور ان جیسی دوسری متعدد آیاتِ کریمہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ تخلیقِ آدم صرف اسلام کے لیے ہوئی ہے، بقیہ غیر اسلامی ادیان کا رواج اور ان کی قبولیت منشائے الٰہی کے خلاف اور اختلافِ انسانی کا نتیجہ ہے۔ اسلام کا مطلب صرف اور صرف رحمتِ الٰہی سے سرفرازی ہے۔ جب انسان کی تخلیق اسلام اور دینِ قیم کے لیے ہوئی ہے تو ظاہر ہے کہ اس کی تخلیق صرف رحمتِ الٰہی کے لیے ہوئی۔ غرض کہ عقلی دلائل اور استدلالات سے بھی واضح ہوتا ہے کہ تخلیقِ انسانی کی غرض و غایت رحمتِ الٰہی ہے اور ان دلائل کو قرآن و حدیث اور اسلامی اقدار و اصول کی تائید و توثیق حاصل ہے۔ ایک اور اہم نقلی دلیل یہ بھی ہے کہ اللہ رحمان و رحیم نے اپنی رحمتِ کاملہ کے اظہار کے لیے آخر میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بقول علامہ ندوی مظہرِ رحمت اور بقولِ الٰہی رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا۔ ایسے رحمتِ کامل پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی امت جس میں تمام انسان شامل ہیں کیونکر عذاب و اختلاف کے لیے پیدا کی جا سکتی ہے۔ یہ محض جذباتیت یا جذباتی اظہارِ بیان نہیں بلکہ اس کو قرآن و حدیث اور اسلامی روح کی تقویت و تائید حاصل ہے۔[۱۳]

## تعلیقات وحواشی

[۱] مثلاً سورۂ غافر ۵۷ کی آیتِ کریمہ ہے۔ لخلق السمٰوٰت والارض اکبر من خلق الناس ولکن اکثر الناس لا یعلمون (آسمانوں اور زمین کی تخلیق انسانوں کی تخلیق سے زیادہ بڑی اور بھاری ہے